

محسن السانیت ﷺ

(مخالفتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے)

مدنی دہ

نعیم صدیقی

سلسلہ گزشتہ ---

یہ نو مسلم عالم چونکہ یہودی کمزوریوں کے رازداں، ان کی حاسدانہ نفسیات اور ان کے ذلیل کردار کے رمز شاس تھے، اس لیے خوب سمجھتے تھے کہ میرے ذہنی انقلاب پر کیا تاثر دیا جائے گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب مفاد پرستی کی بنا پر گروہ بندیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو کردار اتنا گر جاتا ہے کہ اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا کہنے کے بجائے اپنے بُروں کو اچھا اور دوسروں کے اچھوں کو بُرا قرار دیا جاتا ہے۔ اپنے بارے کی بھڑکالی ہو تو بھی سفید شمار ہوتی ہے اور باہر کی بھڑک سفید ہو تو بھی اسے کالی کہا جاتا ہے بلکہ اپنے بارے کی سفید بھڑک یا بھڑک کر باہر ہوتے ہی کالی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہر دور میں اس قماش کے مذہب داروں کا حال یہی رہا ہے کہ جب تک کوئی شخصیت ان کے ساتھ رہتی ہے یا کم سے کم اس سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ اس کی سرگرمیاں اپنے کاروبار پر اثر انداز ہونے والی ہیں تو اس کی خوبیوں کا خوب کھلے دل سے اعتراف کیا جاتا ہے بلکہ کبھی کبھار تو پورے مبالغہ سے اس کی علمی و کرداری عظمت بیان کی جاتی ہے، لیکن وقت کی چند گردشوں کے ساتھ سب ایسی عظیم شخصیت کا پارٹ کسی بزرگ کی مذہبی مارکیٹ کے لیے ضرور سامان بن جاتا ہے، تو معاً رائے گرامی کوٹ لیتی ہے اور زبان و قلم پٹی کھا جاتے ہیں۔ کوئی عالم کھا تو اب جاہل قرار پا جائے گا۔ مومن کھا تو اب فاسق و کافر گردانا جائے گا، خادمِ دین و ملت کھا تو اب وہ ضال و مضل مانا جائے گا، ادب و احترام کا مستحق

نواب گالیوں کا ہدف بن جائے گا۔ عبد اللہ بن سلام کے سامنے یہود کی مسخ شدہ فطرت کی یہی پستیال بھتیس اور انھوں نے تہیہ کر لیا کہ ان پستیوں پر سے تصنع کے پردے اٹھوا دئے جائیں۔ دل ہی دل میں ایک ڈرامے کا نقشہ بنا کر انھوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ مناسب موقع پر محسن انسانیت کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یہود ایک باطل زدہ گروہ ہیں اور ان کے ضاد احوال کو بے نقاب کرنے کے لیے آپ مجھے اپنے گھر میں پس پردہ بٹھادیں اور ان کی نگاہوں سے مخفی رکھ کر ان کی رائے میرے بارے میں دریافت فرمائیں اور پھر ملاحظہ فرمائیں کہ میرے اسلام لانے سے ناواقف ہوتے ہوئے مجھے کیا مقام دیتے ہیں، کیونکہ اگر ان کو میرے قبول اسلام کا علم ہو گیا تو پھر وہ مجھ پر بہتان باندھیں گے اور عیب جوئی کریں گے۔ حضورؐ نے ایسا ہی کیا کہ عبد اللہ بن سلام کو گھر میں آڑ کے نیچے بٹھادیا اور ادھر یہودی بزرگ آ پہنچے۔ باتیں ہوئیں، سوالات پوچھتے رہے اور جواب دئے جاتے رہے۔ آخر میں رسول خداؐ نے پوچھا: ”خصیبن بن سلام تم میں سے کیسے آدمی ہیں؟“ کہنے لگے کہ وہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے ایک سردار کے فرزند ہیں، ہمارے ایک مردِ جلیل ہیں۔ ایک ہندیاۃ عالم ہیں۔ جب وہ سب کچھ کہہ چکے تو عبد اللہ بن سلام اوٹ سے باہر آ گئے اور ان کو مخاطب کر کے کہا: ”اے گروہِ یہود! خدا کا خوف کرو اور جو دین حضورؐ کے ذریعے آیا ہے اسے اپنالو، کیونکہ خدا کی قسم تم خوب سمجھتے ہو کہ آپؐ اللہ کے فرستادہ ہیں، تم حضورؐ کے اسمِ گرامی اور آپؐ کی صفات کا تذکرہ اپنے ہاں تورات میں لکھا دیکھتے ہو، سو میں تو گواہی دیتا ہوں کہ حضورؐ خدا کے فرستادہ ہیں اور آپؐ پر ایمان لاتا ہوں۔ اور آپؐ کی تصدیق کرتا ہوں اور آپؐ کو پہچانتا ہوں۔“ یہود پردہ اٹھا دینے والے اس ڈرامے کو دیکھ کر بڑے شینائے اور کہنے لگے ”تم جھوٹے ہو اور پھر عبد اللہ بن سلام کے دہرے ہو گئے۔ ابھی چند ثانیے پہلے حسن شخص کو سید اور عالم اور مردِ جلیل قرار دیا تھا، گھڑی بھر میں اسی کو جھوٹا آدمی کہہ رہے تھے۔ عبد اللہ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ میں نے حضورؐ سے کہہ نہیں دیا تھا کہ یہ ایک باطل زدہ گروہ ہے یہ سرکشی، جھوٹ اور برائی سے آراستہ لوگ ہیں! اس دلچسپ طریقے سے عبد اللہ بن سلام نے اپنے اور اپنے گھروالوں کے اسلام کا اعلان کیا۔ تصور کیجیے کہ یہود کے دل و دماغ

کیا واردات گذرے ہوں گے۔

السیاہی ایک واقعہ مشہور بزرگ و عالم مخیرق کا ہے جو ذرا بعد کے دور میں پیش آیا، یعنی یوم احد پر! یہودیوں سے یہ صاحب بہت مالدار بھی تھے اور کھجوروں کے باغات کے مالک تھے۔ اپنے علم کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے وہ آپ کو پہچان گئے تھے، یہاں تک کہ یوم احد آگیا اور اتفاق سے اسی دن یوم سبت پڑتا تھا۔ کسی مجلس میں انھوں نے کہا کہ: "اے گروہ یہود! خدا کی قسم! تم جانتے ہو کہ محمد کی مدد کرنا تم پر لازم آتا ہے۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ سہاہل شرک کے مقابلے میں مسلم جماعت کی امداد اصولاً تم پر واجب ہے، دوسرے بروئے معاہدہ تم اس بات کے پابند ہو کہ پیش آمدہ تصادم میں اس حلیف طاقت کا ساتھ دو۔ اس پر جو جواب یہود نے دیا وہ حیلہ باز اور نکتہ طراز مذہبی ذہن کی گھناؤنی تصویر کو پوری طرح سامنے لے آتا ہے۔ کہنے لگے کہ "آج کا دن تو یوم سبت ہے۔" اس جواب پر درشتی سے مخیرق نے کہا "کوئی سبت نہیں ہے تمہارے لیے! پھر اس فرض شناس مجاہد نے ہتھیار سنبھالے اور شہر سے نکل کر میدان احد میں رسول اللہ سے جا ملے۔ جاتے ہوئے اپنے اہل خاندان سے یہ بات طے کرتے گئے کہ اگر میں آج مارا جاؤں تو میرے تمام اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دئے جائیں اور وہ اللہ کی رہنمائی کے تحت جس طرح چاہیں ان میں نصف کرے۔ چنانچہ یہ جاہل باز میدان میں کام آگیا اور اس کے زکے کو رسول خدا نے اپنے قبضہ میں لے کر صرف کیا۔ کسی قدر اختلاف اس بارے میں ہے کہ مخیرق اسلام لائے تھے یا نہیں۔

تخریک اسلامی کی اس فائنٹائٹیلینار پر یہودی کی فاسد مذہبیت کا جو باطنی ردِ عمل تھا اس کا اندازہ اسی سلسلے کے ایک دلچسپ واقعہ سے ہو سکتا ہے حضرت صفیہ بنت خنیس بن اخطب یہ زوداد بیان بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے والد اور چچا کی نگاہ میں ساری اولاد سے زیادہ تہیبتی تھی اور دونوں ہمہ وقت ساتھ رکھتے تھے۔ جب رسول خدا مدینہ آئے اور قبا میں قیام فرمایا تو میرے والد خنیس بن اخطب اور

چچا ابویا سر بن اخطب منہ اندھیرے ملاقات کے لیے گئے۔ لڑتے تو غروب آفتاب کا وقت تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ بہت تھکے ماندے اور پریشاں خاطر ہیں۔ وہ بہت دھیمے انداز سے چلے آ رہے تھے۔ میں معمول کے مطابق مسکراتی ہوئی ان کی طرف متوجہ ہوئی، لیکن بخرا پریشانی کے مارے دونوں میں سے کسی نے میری طرف التفات نہ کیا۔ میرے چچا ابویا سر والد سے کہہ رہے تھے:

”کیا یہ وہی (پیغمبر موعود) ہے؟ والد نے کہا: ”ہاں، خدا کی قسم؟“ چچا نے پھر پوچھا: ”کیا تم نے اسے پہچان لیا ہے اور یقین کر لیا ہے؟“ والد نے جواب دیا: ”ہاں!“ اس پر چچا نے دریافت کیا: ”پھر اس کے لیے تمہارے دل میں کیا جذبہ ہے؟“ والد نے کہا: ”دشمنی ہی دشمنی۔ جب تک زندہ ہوں، خدا کی قسم!“

یہ تھا یہود کا اصل ذہن! یعنی خوب سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے آنے والا داعی حق ہے، خدا کا پیغام لانے والا ہے! اس کا ہر بول اس کی سچائی پر گواہ ہے، اس کا پورا کردار اس کے مرتبہ کو نمایاں کر رہا ہے، اس کا چہرہ اور اس کی وجاہت اس کی نبوت کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ سمجھتے ہی نہیں، خلوٹوں میں زبان سے افرازاں کرتے ہیں، لیکن ایمان و اطاعت کی راہ اختیار کرنے کے بجائے مخالفت و عداوت کا عزم باندھتے ہیں۔ یہ فطرت یہود کے ہاں عام تھی۔ آفتاب نکلتا ہے تو کون نہیں جانتا کہ طوفانِ نرا بل پڑا۔ آدمی اور حیوانات تو خیر آنکھیں رکھتے ہیں، گھاس کی ایک پتی کو علم ہو جاتا ہے کہ وہ ہونے والا واقعہ ہو گیا جو ہر شے تیرہ کے خاتمے پر روز ہوا کرتا ہے، بلکہ حرارت اور گرمی مٹی کے بے جان ذروں اور پانی کے قطروں اور ہوا کی موجوں تک کو یہ معرفت دے دیتی ہیں کہ نور کا پیغامبر جلوہ آ رہا ہو چکا۔ طلوعِ آفتاب تو ایسا بڑا انقلابی واقعہ ہوتا ہے کہ اسے چمکا دڑیں اور اُتو تک جان جانتے ہیں، ان کی فطرت کج کی امتیازی شان پس یہ ہوتی ہے کہ روشنی ہونے پر اور دنیائی تو آنکھیں کھلتی ہیں اور ان کی آنکھیں بند ہو جایا کرتی ہیں، بلکہ ان کے لیے سورج کے نکل آنے کی علامت ہی یہ ہوتی ہے کہ ان کی آنکھیں چندھیا کے رہ جائیں۔ انسان اتنا اندھا نہیں ہو سکتا کہ اس کے سامنے خدا کے انبیاء مرتبہ اعجاز کو پہنچے ہوئے، علم و کردار کے ساتھ جلوہ گر ہوں اور وہ یہ نہ محسوس کر لے کہ

کوئی عظمت مآب اور غیر معمولی اہمیت کی شخصیت ابھری ہے۔ آدمی دیکھتا ہے، سمجھتا ہے، جانتا ہے اور جاننے کے بعد انکھیں بند کرنا ہے، پھر بھی اگر روٹنی پوٹوں کے پردوں کو چیر کر اندر جا بیٹھتی ہے تو انکھوں پر پٹیاں باندھتا ہے، ہاتھوں سے ان کو بھیج لیتا ہے، منہ ریت میں چھپا لیتا ہے کمروں کے دروازے کھڑکیاں بند کر کے کالے پردے ان پر ڈال دیتا ہے۔ کہتے ہیں: سوتے کو جگایا جاسکتا ہے، جاگتے کو جگانا ممکن نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح انجان کو علم دیا جاسکتا ہے لیکن جاننے والے کو انجان بن جانے پر جہل کے عالم سے باہر نہیں نکالا جاسکا۔ ٹھیک یہی حال تھا جس میں یہود کی اکثریت اور خصوصاً ان کے علماء، کبار جا پڑے تھے۔ قرآن نے بھی ان کے اس فساد کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا کہ ”يعرفونه كما يعرفون أبناءهم“ یعنی یہ حق اور داعی حق کو اسی قطعیت کے ساتھ جانتے ہیں جیسے اپنے بچوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔

یہودیت کے سربراہ کا محسن انسانیت کے علو مرتبہ کو دیکھ دیکھ کر جلتے تھے اور جوں جوں عامۃ الناس اور ان کے اپنے ریوڑ کے افرادی دعوت کی طرف لپک رہے تھے، ان کے دلوں کی فضا میں کھچاؤ بڑھ رہا تھا۔

مناظرۃ سوالات | بگڑے ہوئے مذہب داعیوں کے دلوں میں حبیب کسی موثر دعوت اور کسی فروغ پاتی ہوئی تحریک اور کسی جلیل القدر داعی کے خلاف کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ توام پکڑ لیتا ہے تو وہ افہام و تفہیم کے دروازے بند کر کے مناظرے کا دنگل کھول دیتے ہیں۔ مناظرے کی اسپرٹ سے جو سوالات و شکوک اٹھائے جاتے ہیں ان کا منشا کبھی یہ نہیں ہوتا کہ ایک بات کو سمجھنا ہے، بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ سیدھی سادی بات کو سمجھ کے نہیں دیتا ہے۔ یعنی مناظرے کی روح ہے ”میں نہ مانوں؟“ لیکن مقصد اتنا ہی نہیں ہوتا، وسیع تر منہا یہ ہوتا ہے کہ عوام الناس کو غلبہ حق کی فطرت راہ سے ہٹا کر شکوک و شبہات کے خارزاروں میں ڈال دیا جائے اور وہ سادہ استدلال سے دور ہو کر نظری سوالات کے چکر میں پڑ جائیں۔ وہ دعوت کی عقلی قدر و قیمت اور اس کے اخلاقی اثرات کو جانچنے کے بجائے پیچیدہ تکنیکی مسائل کی بھول بھلیاں میں گھومتے ہیں۔ علمائے شہ راہ اپنے آئینہ

سوفی صدی اطمینان رکھتے ہیں کہ ہمیں دعوتِ حق کبھی ختم نہیں کر سکتی، ڈر۔ انہیں ہوتا ہے اپنی بھڑوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا، ان کی حفاظت کے لیے وہ ٹیڑھے ٹیڑھے سوالات کے جھاؤ کا بارڈا بناتے ہیں۔ یہود کے علمائے سوء بھی اس کے سوا اور کیا کرتے؟

عبدالمشہد بن سلام کے تحریکِ اسلامی میں شامل ہو جانے کے بعد یہود نے مناظرانہ بحثوں اور کاوشوں کے مورچے جمانے پر پوری پوری توجہ صرف کر دی اور کج بحثیوں کے ترکش کھول کر منطقیت کے تیر تحریکِ اسلامی پر برسانے شروع کر دیے۔ مگر یہ ساری جنگی کارروائی بھی کھلے مورچوں سے نہیں، منافقت کی ٹٹیوں سے جاری کی گئی۔ یہ بزرگانِ تقویٰ کیشِ حق پر توہی کے بڑے مرعوب کن یسوع بھر کر تحریکِ اسلامی کے اجتماعات میں مشرب ہوئے۔ پھر باتوں باتوں میں گریہ مسکینی کے طرز سے ہونٹ لٹکانے کا کر سوالات سامنے لاتے۔

ایک اجتماع میں حضور رسالت مآب کے سامنے انہوں نے یہ سوال دیا: "خلق کو جب خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو آخر خود خدا تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟" دیکھا آپ نے ذہن کا ٹیڑھا! — یہود خود اسی خدا پر ایمان رکھنے کے دعوے دار تھے، اس کے پیغمبروں کے معتقد اور اس کی کتاب کے علمبردار تھے۔ وہ خدا کو پہلے سے جانتے تھے، اس کی صفات سے آگاہ تھے، لیکن اسی خدا کی طرف سببِ اسلام نے بلایا تو خدا کے بارے میں ان کے دلوں میں بڑا بھاری اشکال پیدا ہو گیا اور ان کے سوال کا گویا ظاہری مدعا یہ تھا کہ اگر یہ اشکال رفع ہو جائے تو پھر ان کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ کھل جائے۔ لیکن سوال کا بیڑہ تبارہا ہے کہ مقصود طلبِ ہدایت نہیں بلکہ لوگوں کو ہدایت سے بچنے کے لیے راہِ فرار دکھانا ہے۔ آنحضرت نے اس ٹیڑھے سوال کا جواب بہت ہی سیدھے طریق سے دیا، یعنی سنجیدگی سے سورہ اخلاص پڑھ دی۔ "کہو (اے محمد) کہ اللہ بیکتا ہے، وہ بے ہمہ ہے، نہ کوئی اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور کوئی اس کا تمہا نہیں ہو سکتا۔"

آئیے آپ کو ایک اور دلچسپ مجلسِ گفتگو میں لے چلیں۔ یہود کے بعض نامور مولوی ایک دن

حضور کے حلقہ میں آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے چار سوالوں کا جواب دیجیے، پھر ہم آپ کی دعوت مان لیں گے اور آپ کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ حضور نے فرمایا کہ اب اس عہد کی ذمہ داری تم پر ہے پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے۔ سوالوں کے سامنے آنے سے قبل آپ ذرا خود اندازہ کیجیے کہ تحریک اسلامی کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے معقول لوگوں کی طرف سے کس قسم کے استفسارات کی توقع کی جانی چاہئے۔ وہ پوچھتے تو اساسی صداقتوں کے بارے میں پوچھتے، اسلام کی اخلاقی قدروں کے بارے میں پوچھتے، سیاسی و معاشی نظام اور اس کے طریق کار کے بارے میں پوچھتے، مسلمان ہونے کے شرائط و لوازم کے بارے میں پوچھتے، اپنی زندگیوں سے تعلق رکھنے والے دوسرے علمی مسائل کے متعلق پوچھتے، لیکن ان چیزوں سے وہاں سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔ انہوں نے اپنے علم و فراست کا مظاہرہ کرنے کے لیے یہ سوالات یکے بعد دیگرے پیش کیے :

- ۱۔ بچہ ماں کے مشابہ کیوں ہو جاتا ہے، جب کہ وہ اپنے باپ کے لطف سے تشکیل پاتا ہے؟
 - ۲۔ آپ کی نیند کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟
 - ۳۔ اسرائیل و یعقوب علیہ السلام نے کیا چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور کیوں؟
- ان کسوٹیوں پر تحریک اسلامی کی حقانیت کو جانچا جا رہا تھا؛
- چوتھا سوال البتہ کچھ نہ کچھ تعلق براہ راست دعوت و تحریک سے رکھتا تھا مگر اسپرٹ اس کی بھی ویسی ہی تھی۔ پوچھا گیا کہ روح و فرشتہ وحی کیا ہے؟

حضور نے سکون سے ایک ایک سوال کا جواب دیا اور آخری سوال کے جواب میں فرمایا کہ تم خود اس بارے میں جانتے ہو کہ وہ جبریلؑ ہے اور وہی میرے پاس آتا ہے۔

سب سوالات ہو چکے، جوابات سامنے آ گئے، ان جوابوں میں سے کسی کی تردید نہیں کی گئی بلکہ ہر ایک پر کہا گیا: ”اللہم، نعم!“ یعنی ”تھیک“ اے ہمارے اللہ!

آپ تو فرح کریں گے کہ ان جوابات کے بعد انہوں نے دلوں کے دروازے اسلام کے لیے کھول دیئے ہوں گے، ہرگز نہیں! آخری بات پر وہ کہنے لگے: ”لیکن“ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جبریلؑ تو

ہمارا دشمن ہے، وہ ایک ایسا فرشتہ ہے کہ جب جب آتا ہے تو مصیبت اور خون خرابے کا پیغام لے کے آتا ہے۔ مراد یہ تھی کہ وہ جب خدا کی طرف سے دین کی علمبرداری کا مطالبہ لاتا ہے تو ایک کشمکش ناگزیر ہو جاتی ہے، طرح طرح کے نقصانات سر پڑتے ہیں اور بڑے چر کے کھانے پڑتے ہیں، بلکہ نوبت جہاد تک پہنچتی ہے۔ اس سے ہماری نہیں مبنی۔ پس اس فرشتے کی دشمنی اڑنے آتی ہوئی تو پھر ہم آپ کا ضرور ساتھ دیتے اور آپ کے نقش قدم پر چلتے۔ یعنی دعوت ٹھیک، پیغام برحق، تحریک درست، مگر اس کے پس منظر میں جس فرشتے کو خدا نے لا ڈالا ہے اس سے ہماری صاحب سلامت ختم ہو چکی ہے، لہذا جہاں وہ ہوگا وہاں ہم نہیں آسکتے!

اس کا جواب محسن انسانیت نے قرآن کے الفاظ میں ایسا دیا کہ بس سننے والوں کو ہمیشہ یاد رہا ہوگا۔ فرمایا: کہو (اے محمدؐ) کہ جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو (وہ کان کھول کر سن لے کہ) قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر اپنے فرمان کے تحت اتارا ہے جو اپنے سے پہلے کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے دُعاوت اور مصیبت اور خون خرابے کا پیغام نہیں بلکہ) ذریعہ ہدایت و نجات ہے۔“

ایک اور بحث پیدا ہو گئی۔ سرورِ عالم نے کسی موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر سلسلہ انبیاء میں فرمایا۔ اس پر یہودی حلقوں میں بڑا چرچا ہوا۔ سہرطف کہا جانے لگا: ”لنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی انوکھی بات سنی ہے کہتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد بھی پیغمبر تھے! خدا کی قسم، وہ تو محض ایک جادوگر و نعوذ باللہ تھے۔ چنانچہ قرآن نے اس و اہمیات چرچے کی تردید کی کہ جادو گر کی تو ایک کافرانہ حرکت ہے اور حضرت سلیمانؑ نے کبھی یہ حرکت نہیں کی۔ چاہے بابل کے جو قیصر مشہور ہیں وہ تو شیطان کے کشتے تھے۔“

(باقی)

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۹۲-۹۱

۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۹۲